امام زین العابدین علیہ السلام

تحریک کربلا کو جاری رکھنے والے

ماخوذ از ''اسوہ ہای جاوید'' (فارسی) مصنفۂ پروفیسر علامہ علی محمد نقوی صاحب قبلہ، علی گڑھ

ترجمہ: بنت زہرا نقوی ندوی الہندی معلمۂ جامعۃ الزہرا، تنظیم المکاتب، بڑا باغ، لکھنؤ

امام زین العابدینؑ، واقعات کربلا کے بے مثال شاہد جس کی نظیر تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے، پیغام کربلا کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے دعاؤں کا اسلوب منتخب اور دعاؤں سے اپنے جہاد کا مورچہ تیار کیا۔ امام زین العابدینؑ اس گھٹن کے دور میں جد وجہد کے ایک عظیم معلم ہیں۔

واقعہ کربلا کے بعد کا دور شیعوں اور شیعوں کی رہبری کے لئے نہایت سخت اور خطرناک دور تھا۔ شیعوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جارہے تھے۔ کسی قسم کی تحریک یا جہاد کا امکان نہ تھا، بظاہر زمانے کے حالات اور حاکم کی قوت کے خلاف تنظیم قوت اعتراض واحتجاج کی شمع جو کربلا امام حسینؑ نے روشن کی تھی وہ گل ہو چکی تھی اور ان انقلابیوں میں سے بظاہر ایک جوان یعنی زین العابدینؑ زندہ بچ گئے تھے۔

ظاہراً امام زین العابدین علیہ السلام کے لئے کسی تحریک یا اپنے فرائض کی انجام دہی کے لئے اس جد وجہد کو آگے بڑھانے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ امام زین العابدینؑ کا دور عبد الملک بن مروان اور ولید بن عبد الملک جیسے طاقتور اموی خلفاء کا دور تھا جس میں حجاج جیسا ظالم وجابر اور خون آشام حاکم موجود تھا۔ عبد الملک نے کوفہ اور بصرہ کی گورنری حجاج کے سپرد کردی تھی اور حجاج کا یہ عالم تھا کہ جس کسی پر بھی اہل بیت سے وابستہ ہونے کا اسے شبہہ ہوجاتا اس کو بلا تامل اور بے دریغ تہ تیغ کرڈالتا تھا۔ وہ ''اذیت رسانی'' اور خوانخواری میں متوکل عباسی کی نظیر تھا۔ ابن اثیر ''کامل'' میں لکھتا ہے کہ حجاج بن یوسف ثقفی نے اپنے دور اقتدار میں بیس ہزار سے زیادہ افراد کو تہ تیغ کیا جن میں اکثریت شیعوں کی تھی۔

اس زمانے میں شیعوں کے اس بیدردی سے ظلم وستم کا نشانہ بننے کی وجہ یہ تھی کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد واقعہ کربلا کے نتیجہ میں شیعوں کی متعدد تحریکیں وجود میں آگئی تھیں سب سے پہلے تو شہادت امام کے فوراً بعد ۶۱ھ میں ہی سلیمان بن صرد خزاعی کی سرکردگی میں ''توابین'' کا گروہ معرض وجود میں آیا اور ۶۴ھ تک یہ سلسلہ جاری رہا اس کے بعد انقلاب مختار سامنے آیا اور مختار نے قاتلان حسینؑ میں سے بیشتر کو جہنم واصل کیا۔ مختار ہی نے ابن زیاد کو بھی قتل کیا یہی حالات اس سیاسی گھٹن، شیعوں پر ظلم وستم اور ان کی سرکوبی کا باعث تھے۔ ان حالات میں تحریک اسلامی کے مٹ جانے کا خطرہ تھا اور ائمہ کی راہیں بھی خطرات سے بھری ہوئی تھیں۔ تمام تبلیغاتی، دینی اور دنیوی اختیارات امویوں کے ہاتھ میں

تھے،حکومت،محراب،منبر،مسجد،قضات (جج)، حکام اورلشکر سب کچھ خلیفہ کے قبضہ میں تھا اور اس اقتدار اورقوت کے مقابلے میں امام زین العابدینؑ تنہا تھے، دہشت گردی، وحشت، جرم اور قتل عام نے کسی بھی عملی تحریک کو ہر قدم پر نا ممکن بنا رکھا تھا۔جس دور میں امام زین العابدینؑ زندگی گذار رہے تھے وہ دور''مطلق معذوری'' کا دور تھا۔امام ایسے مشکل حالات سے دوچار تھے کہ شہادت کا انتخاب بھی نہیں کرسکتے تھے کیونکہ''شہادت'' یا''جہاد بالسیف'' ایک ایسی موت ہے جس کا وسیلہ اسلحہ ہے اور اس وقت اس کا بھی امکان نہ تھا۔ مسلمان کشورکشائی کے نشے میں سرشار تھے،ظلم واقتدار اپنے عروج پر تھا،عبدالملک جیسا جابر تخت خلافت پر بیٹھا ہوا تھا اور امام کے پاس نہ عباس وعلی اکبر جیسے مددگار تھے نہ زینب جیسی پیغام رساں۔ان حالات میں جہاد بالسیف کے بجائے خاموشی ہی مناسب تھی۔

ان حالات میں سیدسجادؑ نے جہاد کو آگے بڑھانے اور دوام بخشنے کے لئے''دعا'' اور''اشک'' جیسے اسلحوں کا انتخاب کیا دعاؤں کو اپنا اسلحہ بنایا۔حکومت اور ظلم پر حملہ کرنے کے لئے ان اسلحوں کو اپنایا تا کہ اصلی اسلامی قدروں اور نظریات کا تحفظ کیا جا سکے۔امام نے''دعا'' سے کربلا کو دوام بخشتے ہوئے حکومت ظلم اور فکری،عقیدتی اور سیاسی انحرافات پر حملہ کیا۔

سیدسجادؑ دعاؤں کے اسلحے اور اشکوں کی شمشیر سے ظالموں اور جباروں کے خلاف مصروف جنگ ہوئے اور اس طرح نہ انھوں نے سنت شہدا کو فراموش ہونے دیا، نہ کارنامہ حسینؑ کو ہندو اسپین کی فتح کے شور میں گم ہونے دیا۔

ان نازک حالات میں امامؑ نے تحریک کی رہبری کے تحفظ کی خاطر بظاہر سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر رکھی تھی اور کسی تحریک یا قیام کی پشت پناہی نہیں کی مگر اکثر مستند شواہد سے ظاہر ہے کہ انقلابی ان ہی حضرتؑ سے رہنمائی حاصل کرتے تھے جیسا کہ مختار نے بھی ابن زیاد کے قتل کے بعد اس کا سر جب خدمت امام میں مدینہ بھیجا تو امامؑ نے مختار کے اس اقدام پر رضا مندی کا اظہار کیا۔ایک بہت بڑا مورخ یعقوبی نے لکھا ہے:''**ان علیاً لم یرضا حکا قط منذ قتل ابوہ الافی ذلک الیوم**''یعنی امام زین العابدینؑ کو ان کے والد گرامی کی شہادت کے بعد سے کبھی کسی نے ہنستے نہیں دیکھا سوائے اس روز کے۔''

امام نے کسی سیاسی تحریک یا انقلاب میں اعلانیہ شرکت کیوں نہیں کی؟اس کا جواب یہ ہے کہ سانحۂ کربلا کے بعد سب سے اہم مسئلہ محاذ حق سے متعلق یہ تھا کہ تحریک کی رہبری اور خون شہیداں کا پیغام لانے والے کا وجود قائم رہے اور اس حساس اور پر آشوب دور میں جب کہ شیعوں کا قتل عام علی الاعلان جاری تھا تحریک کی رہبری محفوظ رہ جائے۔حسینؑ نے جو اقدام کیا تھا،اس کے لئے ضروری تھا کہ کوئی ہستی ایسی ہو جو اس اقدام کو نظام کی صورت میں منتقل کر سکے اور اس وقت تک اس کی حفاظت کرے جب تک کہ اس کی ذمہ داری امام باقرؑ اور امام صادقؑ تک نہ پہنچ جائے اور وہ اسے نظام کی شکل دے دیں۔یہ مصلحتیں وہ تھیں جو امام زین العابدین نگاہ امامت سے دیکھ رہے تھے حالانکہ محمد بن حنفیہ کو اس کا عرفان نہ ہو سکا تھا۔ امام زین العابدین بظاہر سیاسی مسائل سے دور تھے مگر حقیقتاً نظام حاکم سے در پردہ فکری اور نظریاتی جنگ عظیم میں مصروف تھے۔

امام زین العابدینؑ خون شہداء کی پیغام رسانی میں جناب زینب کے ساتھ شریک تھے۔امام چہارم جناب زینبؑ

کے ساتھ ساتھ دربار کوفہ وشام میں اپنی تقریر اپنی رفتار وگفتار غرض کہ ہر طرح پیغام شہداء کی منتقلی کے فرائض کو انجام دیتے رہے اور جناب زینب ہی کی طرح آپ بھی ہمیشہ اس کوشش میں رہے کہ واقعات کربلا اور مقصد شہادت حسینؑ دنیا کے ذہنوں سے فراموش نہ ہونے پائے۔

سید سجادؑ اپنی زندگی کا ہر لمحہ نظام باطل کی بیخ کنی میں صرف کرتا رہے اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے خطبہ اور دعا کو انھوں نے اپنا اسلحہ بنالیا۔ چنانچہ دربار یزید میں امام کا خطبہ اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہے ۔ جب انہوں نے فضائل پیغمبر اور اہل بیت کے لئے اپنی زبان کھولی تو ان کا ہر جملہ ایک ضرب کی حیثیت رکھتا تھا۔ یزید اور نظام اموی کے لئے ضرب جو اس ابوسفیان کا وارث تھا جو پیغمبر اسلام کے مقابلہ میں آیا تھا اور اہل بیت کے حقوق کے غاصب معاویہ کا بھی وارث تھا۔ امام کی دعاؤں میں بھی جس میں فضائل محمدؐ وآل محمدؐ کا اسلوب ہوتا ہے وہ بھی جاہلیت کی قدروں کے حامل اور دشمن اہل بیت پر ایک طرح کا در پردہ حملہ ہے۔

صحیفۂ سجادیہ کی دعاؤں کا تجزیہ

سید سجادؑ اپنی دعاؤں میں ایک طرف تو اسلامی بنیادی تعلیمات کو برقرار رکھتے ہیں اور دوسری طرف ظلم کے خلاف جنگ کی مشعل کو بھی بجھنے نہیں دیتے۔ صحیفہ کاملہ کی دعاؤں میں سید سجادؑ نے شیعہ عقیدہ کے تمام اصول یعنی معرفت خدا، نبوت، توحید اور امامت سے لے کر عدل وقضا وقدر تک شیعوں کے عقائد بیان فرمائے ہیں۔ مسلمانوں کو ظلم اور ظالم کے خلاف بیدار کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ خواہ تمام فکری واجتماعی قوتیں حاکم کے قبضۂ قدرت میں کیوں نہ ہوں پھر بھی ایک مسلمان حریم اسلام کے دفاع کے لئے ظالموں سے نبرد آزمائی کا فرض ادا کرنے پر مجبور ہے۔

صحیفہ سجادیہ کی دعائیں انسانوں کا اجتماعی اور سیاسی درد ظاہر کرتی ہیں ۔ امام دعاؤں میں بار بار ''نظام صالح'' اور ''حکومت حق'' کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ شہیدوں کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں اور ان پر درود بھیجتے ہیں۔ درمیان میں روئے سخن منصفوں اور انصاف چاہنے والوں کے جانب ہوجاتا ہے۔ یہ ساری باتیں حاکمان وقت کے اوپر ضرب کاری ہیں سیاسی فضا کے اعتبار سے امام خلفا اور ان کے دربار کی براہ راست مذمت نہیں کرتے تھے مگر حق وعدالت کے مورچوں کے نگہبانوں کو مخاطب کرتے ہوئے موجودہ نظام اور مطلوبہ نظام کا فرق ظاہر کردیتے تھے تاکہ سننے والوں کو ''موجودہ'' اور ''مطلوبہ'' نظام کے درمیان مقابلہ کرنے کا موقع ملے اور اموی حکومت کی خرابیاں ظاہر ہوجائیں۔

صحیفہ کاملہ کی دعائیں انسان کے اندر سماج سے گریز پیدا نہیں کرتیں، نہ انسان کو معاشرے سے دور کر کے عزلت نشینی پر مجبور کرتی ہیں بلکہ اس کے برعکس انسان میں روح عمل کو بیدار کرتی ہیں۔ صحیفہ سجادیہ کی دعا ملاحظہ فرمائیں۔ ارشاد ہوتا ہے: ''خدایا ہمیں قوت عطا کرتا کہ ہم سنت پیغمبرؐ کی حفاظت کریں، بدعتوں سے نبرد آزما ہوں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو انجام دیں'' وغیرہ وغیرہ۔ صحیفہ کاملہ کی دعاؤں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کسی ایسے گوشہ نشین عابد کی دعائیں نہیں ہیں جو معاشرے اور اجتماع سے گریزاں ہو بلکہ یہ امام زین العابدینؑ کی دعائیں ہیں جو امام مجاہدین بھی ہیں۔

امام ان دعاؤں میں کھلم کھلا خلیفہ یا اس کے دربار کا نام نہیں لیتے مگر کچھ خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے ان کی مذمت ضرور کرتے ہیں کیونکہ ان کا مقصد اس نظام کی حقیقت کو آشکار

کرنا اور اسے رسوا کرنا ہے۔

اللّٰھم انی اعوذبک من ھیجان ۔۔۔۔والحاح الشھوۃ والقاطی الکلفۃ وایثار الباطل علی الحق۔۔۔۔وسوء الولایۃ لم تحت ایدینا۔۔۔۔یعنی ''خداوند! تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ حرص اور لالچ ہم پر غلبہ پا جائے، نفس پرستی ہم پر مسلط ہو، ہم تجمل پرستی اختیار کریں، حق کی موجودگی میں باطل کو سرفراز کریں اور جو ہماری حاکمیت میں ہیں ہم ان سے برا سلوک کریں'' اس دعا کا ہر جملہ نظام اموی پر ایک کاری ضرب کی حیثیت رکھتا ہے، اس کے بعد حکومت کے عملہ اور ارکان کی مذمت کرتے ہوئے کہتے ہیں: **او نعضہ ظالماً و نخذل ملھوفاً** یعنی خدایا ہمیں ان لوگوں میں نہ قرار دے جو ظالموں اور جابروں کے ساتھ رہتے ہیں اور مظلوموں کو بے سہارا چھوڑ دیتے ہیں ''**لا تجعل للظالمین ظھیراً**'' یعنی ستم گاروں کا پشت پناہ نہ قرار دے'' اس طرح صحیفہ کاملہ سید سجادؑ نے دعاؤں کی صورت میں تمام اجتماعی اور سیاسی کا اظہار کر دیا ہے۔

صحیفہ کاملہ کی دعاؤں کے تجزیہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سید سجادؑ حاکم طبقہ کے صفات کا اظہار اور ان کی مذمت کرنے کے ساتھ ساتھ اس زمانے کے اسلامی معاشرے کو اپنا معاشرہ بھی سمجھتے ہیں۔ ہمیشہ پوری امت ہی کی فکر میں رہتے ہیں اور سیاسی مسائل اور سرحدوں کے حالات بھی نگاہوں سے دور نہیں ہیں۔صحیفہ کاملہ کی ستائیسویں دعا جو مفصل ترین دعاؤں میں سے ایک ہے اسلامی قلمرو کی سرحدوں کے نگہبانوں کے لئے مخصوص ہے۔ آپ فرماتے ہیں'' خداوند! مسلمانوں کی سرحدوں کو عزت کے ساتھ قائم رکھ، خدایا ان سرحد کے نگہبانوں کو اپنی قوت سے مدد دے، خدایا! اپنی عنایت سے ان کے حقوق میں برکت عطا کر، خدایا ان کی تعداد بڑھا، خدایا ان کے اسلحوں کو کاٹ عطا کر، ان کی جماعت کی حفاظت کر، ان کے درمیان اتحاد و اتفاق پیدا کر اور ان کی کارسازی کر'' اسی دعا سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام ایسے نہ تھے جو گوشہ نشینی میں ہوں اور انھیں پوری امت کی فکر نہ ہو علاوہ بریں دانش مند مصنف محمد رضا حکیمی بتاتے ہیں کہ اس دعا میں مسلمانوں کے لئے اتحاد اور عبرت کا درس موجود ہے، وہ لکھتے ہیں: ''اس دعا میں ہر جگہ ''مسلم''، ''مسلمین'' اور ''اہل ثغور'' یعنی سرحد اور قلعہ کے محافظ کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے، جو قطع نظر مسلک وفرقہ کے ہر اس شخص کے لئے ہے جو کلمہ **لا الہ اللہ و محمد رسول اللہ** پڑھتا ہے۔ سیاست اسلامی کے نکتہ نظر سے یہ ایک بہت بڑی اور گہری ہے تا کہ تمام مسلمان شیعہ و سنی اس بات کو سمجھ لیں کہ جہاں دنیائے اسلام کا معاملہ ہوا اور خارجی دشمن مقابلے پر ہو تو مصالح اسلام کو وسیع النظری سے (گروہ اور فرقہ سے قطع نظر) سوچنا چاہئے۔ائمہ طاہرین علیہم السلام نے ان مصالح کی ہمیشہ رعایت رکھی ہے اور شیعی حق و معارف کی نشر و اشاعت ساتھ ساتھ اسلام اور تمام مسلمانوں کے مصالح سے کبھی چشم پوشی کی ہیں اور اب ہم شیعوں کو چاہئے کہ اس تعلیم کو اپنا شعار بنا لیں۔کوئی مصنف کوئی واعظ اور کوئی مقرر اس بات کا حق نہیں رکھتا کہ وہ دین اور تشیع کے نام پر مصالح اسلام سے چشم پوشی کرے اور ائمہ کی ولایت کے نام پر ائمہ ہی کے دستور کو روند ڈالے۔ یہ تمام باتیں فرائض شیعی سے، دین کے حقیقی مقاصد سے، ائمہ کے دستور و میراث سے، دنیا کے مسائل اور عالمی سیاست سے ناواقفیت اور جاہلیت کی پیداوار ہیں۔''

سید سجادؑ صحیفہ کاملہ کی دعاؤں میں نظریات، ذمہ داریاں،

شعار اسلام کی حقیقی ضروریات، حکومت اور مخالف اجتماعی قوتوں کے خلاف مورچہ بندی کا اعلان کرتے ہیں اور تمام دستور اسلامی اور شیعہ اصولوں کی تلقین بھی کرتے ہیں۔ اس طرح سید سجادؑ یہ بتارہے ہیں کہ کسی زمانے اور کسی حالت میں سچے مسلمانوں کے لئے حالات کے پرآشوب ہونے کو بہانہ بنا کر فرائض سے فرار، مقابلہ سے گریز اور گوشہ نشینی ناممکن ہے بلکہ اسے چاہئے کہ ہر حال میں موجودہ زمانہ اور حالات کے مطابق مقابلہ کے نئے مسائل ایجاد کرے اور انہیں بروئے کار لائے۔ان حالات میں جبکہ اموی ظلم وستم اور جبر وتشدد اپنی انتہا پر تھا اور عبدالملک اور ولید جیسی جہنمی قوتیں ایشیا یورپ اور افریقہ پر حکمراں تھیں، سید سجادؑ نے دعاؤں اور اشکوں سے سلسلہ جہاد جاری رکھا، جہاد حسینی کی مشعل کو بجھنے نہ دیا اور کربلا کے کارناموں کو جن کی یوم عاشورا کے بعد سے زینب نے حفاظت کی تھی حکومت کے پروپیگنڈہ اور شور وغل میں فراموش نہیں ہونے دیا۔

سید سجادؑ نے آئندہ نسلوں کو یہ ذہن نشین کرادیا کہ جو دور مطلقاً مجبوری کا دور ہو اور ناکامی یقینی ہو، ایسے دور میں بھی اگر مسلمان صاحب ارادہ، وفادار اور کامیابی حاصل کرنا چاہے تو حاصل کرسکتا ہے کیونکہ اسلامی جہاد کی لغت میں ''چاہنا'' ''سکنے'' کی ضمانت ہے۔

میں اس بات کی طرف بھی اشارہ کرچکا ہوں کہ سید سجادؑ کا زمانہ نہایت ہی پرآشوب زمانہ تھا،حق کچل دیا گیا تھا اور حق پرستوں کا قتل عام کردیا گیا تھا،حکومتی مذہب مسلط ہوگیا تھا۔ حکومت کی فوجیں تمام قلمرو اسلامی پر قبضہ جمائے ہوئے تھیں لوگوں کی توجہ کشور کشائی کی طرف مبذول ہوگئی تھی۔ ان حالات میں مقابلہ غیرممکن نظر آتا ہے۔مگر سید سجادؑ بتاتے ہیں کہ ان ناسازگار حالات میں بھی مقابلہ ہوسکتا ہے،فرائض سے چھٹکارا نہیں ہے بلکہ مقابلہ کرنا ہی چاہئے۔سید سجادؑ نے امت محمدی کو یہ درس دیا ہے کہ اگر وہ حادثہ کربلا کے بعد کے حالات سے بھی دوچار ہو اور تمام افراد سوائے ایک فرد کے قتل ہوجائیں اور دین کی حفاظت کے لئے کوئی نہ بچے سوائے ایک فرد کے تو یہ ایک فرد بھی فرائض کی انجام دہی سے مستثنیٰ نہیں ہے اور اس پر لازم ہے کہ وہ مقابلہ کی راہیں نکالے۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ سید سجادؑ صرف زین العابدینؑ ہی نہیں ہیں بلکہ تاریخی مجاہدین کے سردار اور سربراہ بھی ہیں۔ بعض ذاکرین کے بیانات سے عوام کے ذہنوں میں سید سجادؑ کی جو تصویر آتی ہے، اس سے ایک بیمار اور نحیف انسان کا تصور ابھرتا ہے۔حالانکہ یہ سچ ہے کہ حادثہ کربلا کے دوران سید سجادؑ کچھ دنوں تک بیمار تھے اور یہ بھی مصلحت ایزدی تھی کہ اس ترتیب سے وارثان امامت میں سے ایک وارث شہیدوں کے پیغامات کو پہنچانے اور امت کی رہنمائی کے لئے باقی رہ جائے، مگر اس وجہ سے ان کے سلسلے میں ایک دائم المرض کی تصویر کھینچ دینا تاریخی حقائق کے منافی ہے۔امام بہت ہی قلیل مدت تک بیمار رہے اس کے بعد دیگر ائمہ کی طرف امامت کے فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہوگئے۔

موسسہ درراہ حق سے شایع ہونے والی کتاب ''پیشوائے چہارم، امام سجادؑ'' (ص/۱۶) میں اس سلسلہ میں لکھا ہے کہ: ''بہت سے انجان لوگ جب امام چہارم کا نام لیتے ہیں تو اس کے ساتھ بیمار کا لقب بڑھا دیتے ہیں۔شاید وہ یہی سمجھتے ہیں کہ امام ہمیشہ بیمار ہی رہا کرتے تھے اور اسی وجہ سے بعض لوگ اپنے ذہنوں میں امام سے متعلق ایک ایسے انسان کا تصور رکھتے ہیں جو بہت بیمار، نحیف، نڈھال ہو اور جس کا چہرہ ضعف سے

زرد ہو رہا ہو۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ جو لوگ تاریخ اور امام کی زندگی سے واقف ہیں، وہ جانتے ہیں کہ وہ تمام عمر بیمار نہیں تھے، صرف کربلا میں کچھ عرصہ تک بیمار تھے۔''

محمد رضا حکیمی لکھتے ہیں: ''یہ تمام ذاکرین جو امام سجاد کو بیمار اور نحیف شکل میں پیش کرتے ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ چند افراد کو رلا دینا حقیقت کو مسخ کر دینے سے زیادہ اہم ہے۔ مقدس پیشواؤں اور کارہائے نمایاں انجام دینے والوں کے مصائب کے سلسلہ میں ایسی باتیں شیعہ عقائد سے خیانت ہے، ائمہ کے لئے توہین ہے اور تاریخی حقائق سے غداری ہے۔''

جس شخص کی ایک بیمار و ناتواں کی شکل میں تصویر کشی کی جاتی ہے، یہ وہ عظیم شخصیت ہے جس کی شعلہ باز تقریروں سے ایک مطلق العنان حاکم کا دربار لرز جاتا ہے۔ جو اجتماعی و سیاسی مسائل کے لئے دعا گو رہتا ہے اور جس کے زیر سایہ انقلابی کارنامہ انجام دینے والے بزرگوں نے پرورش پائی ہے۔ امام محمد باقرؑ جو باقر العلوم، تدوین مکتب کا آغاز کرنے والے تھے اور جناب زید نے دین، مذہب کے لئے جو بے مثال کارنامہ انجام دیا وہ تاریخ میں محفوظ ہے۔

امام کی عرفانی اور علمی بلندیاں

ائمہ نہ صرف معاشرے کی اجتماعی و سیاسی ضروریات کی طرف متوجہ رہا کرتے تھے اور اجتماعی زندگی میں عملاً شریک رہا کرتے تھے بلکہ باطنی درجات اور روحانی گہرائیوں کے عرفان میں بھی درجہ کمال پر فائز تھے اور خدائی منبع علم سے براہ راست اکتساب فیض کرتے تھے۔ امام کی باطنی اور معنوی کشش براہ راست لوگوں کی ہدایت کرتی تھی۔ ائمہ پر خدا کی خصوصی عنایت ہوا کرتی تھی اور معارف باطنی پر انہیں پورا اختیار حاصل تھا۔ امام چہارم کی کرامات کی ایسی بہت سی روایتیں ملتی ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ صرف آپ کی موجودگی سے لوگوں نے ہدایت پائی ہے۔

سید سجادؑ عبادت و ریاضت کے لئے اس قدر مشہور تھے کہ آپ کو ''سید سجادؑ'' اور ''زین العابدین'' جیسے القاب ملے۔ بعض روایات سے امام کے عرفانی حالات کا علم ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسی ہی ایک روایت کے مطابق ایک حج کے موقع پر احرام باندھتے وقت کلمہ ''لبیک'' کہتے ہوئے عرفانی حالت کا یہ عالم تھا کہ امام پر لرزہ طاری ہوا اور یہ کیفیت اس قدر شدید تھی کہ سب لوگ متوجہ ہو گئے۔ جب امام سے اس حالت کے بارے میں استفسار کیا گیا تو آپ نے جواب دیا: ''میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ میں لبیک کہوں اور جواب میں ''لبیک'' سننے کو ملے۔

جو لوگ اس قدر گہرے عرفان حالات کے حامل ہوتے ہیں، وہی اس دنیا کے برگزیدہ ترین لوگ ہیں، ان کے عمل کے مقابلے میں بہشت کم مایہ معلوم ہوتی ہے۔ ایسے لوگ اپنے کو پروردگار عالم کے حضور میں پاتے ہیں۔

علمی مقامات و دسترس کے لحاظ سے بھی امام سجادؑ ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ اسلوب دعا کے علاوہ ایسے شاگرد تیار کئے جو اسلام کے پیغام حقیقی کے محافظ اور عقائد شیعی کے مبلغ تھے۔ سعید ابن مسیب، سعید بن جبیر یہ دو شیعہ دانشمند امام چہارم ہی کے پروردہ تھے۔ ''صحیفہ کاملہ'' کے علاوہ ''حقوق'' کے موضوع پر بھی ایک رسالہ کا ذکر آیا ہے جس کی تصنیف امام چہارم سے منسوب ہے جو ''تحف العقول'' میں تقریباً مکمل درج ہے۔

اس طرح سید سجادؑ اسی تحریک کو جاری رکھنے والے تھے جس کی راہ میں علیؑ، حسنؑ اور حسینؑ شہید ہوئے۔ حسینؑ نے

(بقیہ..................صفحہ ۴۶ پر)

روانہ ہوئے۔ابھی الہ آباد ہی پہنچے تھے کہ ان کی وفات ہوگئی۔

۵۔جناب مولانا سابق الاوصاف والالقاب کے دیگر تلامذہ میں سے جناب سید محمد بن جناب سید باقر بخاری ہیں، جو علم وفضل،تقویٰ اور اکثر علوم خاص کر کے معقولات وغیرہ میں تبحر کے لئے مشہور ہیں۔ معاصرین کے ساتھ آنجناب کے بڑے بڑے مناظرے ہوئے ہیں اور اہل مناظرہ میں سے کوئی بھی ان پر غالب نہ آسکا۔اخلاق پسندیدہ اور تصانیف انیقہ کے مالک ہیں۔سنہ ۱۲۵۹ھ۔ق۔میں مشاہد مشرفہ ائمہ علیہم السلام کی زیارت کے ارادے سے یہاں سے سفر کیا اور آج کل کربلائے معلیٰ میں ہیں۔ سنا گیا ہے کہ علمائے کربلائے معلیٰ اور نجف اشرف سے شدید مناظرات پیش آئے۔

جناب کے دیگر تلامذہ کی فہرست طویل ہے جن کے تذکرے کے لئے علیٰحدہ کتاب کی ضرورت ہے۔خلاصہ یہ کہ ہندوستان کے دیگر فضلاء اور ثقات مومنین جو فی الحال اس جگہ او ردوسری جگہوں پر موجود ہیں، سب کا سلسلہ تلمذ جناب کی ذات اقدس تک منتہی ہوتا ہے۔ بلکہ عرب وعجم جانے والوں کی اکثریت نے بھی جناب کے علوم سے فیض حاصل کیا ہے۔



بقیہ.................امام زین العابدین علیہ السلام

’شہادت‘ کو زینب نے ’خطبات‘ کو اور سید سجادؑ نے ’دعا‘ کو پیغام رسانی کا وسیلہ بنایا۔ سید سجادؑ نے اپنی رفتار، گفتار، خطبات، دعا اور آنسوؤں سے تحریک کی روح کو زندہ رکھا، لوگوں میں نظریاتی بیداری پیدا کی اور عظیم فرائض کی انجام دہی کے لئے زمین ہموار کی وہ بھی اس زمانے میں جب ’’اقتدار‘‘ دشمن کے ہاتھ میں تھا۔صحیفہ کاملہ کی دعاؤں کو اسلام کی انقلابی تحریک کے نعروں میں شمار کیا جاسکتا ہے۔سید سجادؑ دعاؤں کے اسلوب سے کار حسینی انجام دیتے ہیں اور یزیدوں کے لئے امن وامان کی گنجائش باقی نہیں رہنے دیتے۔

باطل کو رسوا کرنے کے لئے حسینؑ نے ’’خون‘‘ کا اسلوب جنگ اپنایا، زینب نے ’’خطابت‘‘ کا اور زین العابدینؑ نے ’’دعا‘‘ کا۔



بقیہ.................ساغر خیامی

فسادات سے متعلق اس نظم میں ساغر خیامی کی حب الوطنی کا جذبہ آورشوں سے سجا ہوا ان کا اپنا ملک بہت ہی حسین لگتا ہے۔

ساغر خیامی کی شاعری کا مطالعہ یہ بات ثابت کرتا ہے کہ ساغر خیامی نظر اور نظریہ دونوں ہی رکھتے ہیں لیکن نظریئے کو وہ جس طرح فنکارانہ نظر اور شاعرانہ بصیرت سے پیش کرتے ہیں وہی ان کے اچھے شاعر اور فنکار ہونے کی دلیل ہے۔

ساغر خیامی بلاشبہ ہمارے ان ذمہ دار شاعروں ہیں جو اکبرؔ الہ آبادی سے لے کر رضا نقوی واہیؔ کے قبیلے میں اضافہ قرار دیئے جاسکتے ہیں۔ ان کا اپنا اسلوب شاعرانہ مزاج وکمال ان بزرگوں سے الگ ہے۔ساغرؔ کا منفرد اور معیاری کلام اس بات کا وعدہ کرتا ہے کہ وہ بھی اس فن کی بلندیوں کو چھوتے رہیں گے اور اردو کا طنزیہ ومزاحیہ شاعری کا ایک زندہ رہ جانے والا نام ہوگا۔

